قیمت سالانہ
تین روپیہ
ایک پرچہ
تین آنہ
تاریخ اشاعت
۲۲-۱۵-۸-۶

انجمن ترقی اردو (ہند) کا
ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

رجسٹرڈ نمبر
اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹
تار کا پتہ
"انجمن"
علی گڑھ

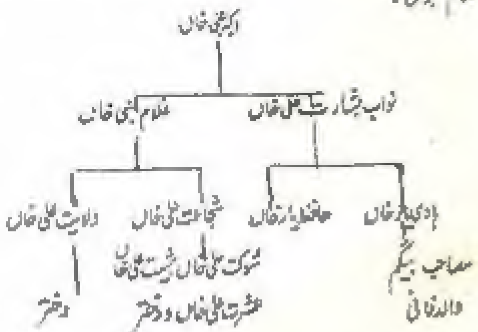
ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۵ | علیگڑھ - ۱۵ دسمبر ۱۹۵۶ ع | شمارہ ۲۵

فانی بدایونی

ضیا احمد بدایونی

(۱) شوکت علی خاں فانی بدایونی نسلاً پٹھان تھے۔ پٹھانوں کی یہ شاخ اُر مڑ کہلاتی ہے جو شاہ عالم کے عہد میں ولایت سے آکر روہیل کھنڈ میں سکونت پذیر ہو گئی تھی۔ ان کا خاندان بدایوں میں مدت سے ممتاز اور معزز ہے۔ ان کے حقیقی دادا کے بھائی نواب بشارت علی خاں صوبہ بدایوں کے گورنر تھے۔ ذیل کے شجرے سے ان کے خاندان کی کیفیت معلوم ہوگی۔



ان لوگوں کی قرابت پٹھانوں اور مغلوں میں ہے۔ چنانچہ فانی کی شادی شاہ زمانی بیگم دختر افتخار علی خاں ولد ناظر علی خاں ساکن موضع ایکری ضلع بدایوں سے ہوئی۔

(۲) فانی نے حسب دستور قرآن مجید گھر پر استاد سے پڑھا۔ پھر مولوی حیات شاہ خاں ساکن جالندھری سرائے بدایوں سے گھر ہی پر فارسی کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد منشی فضل اللہ ساکن چودھری سرائے بدایوں سے انگریزی پڑھی۔ ان کے مکتب کے ساتھیوں میں لیاقت حسین خاں ولد فدا حسین خاں عبد الغنی و عبد الکریم خاں ولد غریب شاہ خاں قابل ذکر ہیں۔ پھر بریلی کالج، اور ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں تعلیم کے باقی مراحل طے کئے۔

(۳) فانی کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ بیوی بھی مزاج شناس تھیں۔ اگرچہ وہ دیہات کی رہنے والی تھیں۔ لیکن شوہر کی مرضی پاکر شہر کے ماحول میں رہنے کی عادت ڈالی۔ فانی نے ان کو خود تعلیم دی اور اس کے رسم ورواج کے خلاف فیشن کا خوگر بنایا۔ جب بیوی کا انتقال ہوا تو ان کو سخت صدمہ ہوا۔ اور اگرچہ اس حادثے کے بعد وہ چار پانچ سال زندہ رہے مگر ان کی زندگی مغموم سے مغموم تر ہو گئی۔ فانی کی اولاد میں دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔ ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا انتقال ان کی حیات ہی میں ہو گیا۔ لڑکی سے بہت مانوس تھے اس کی موت نے حیات کی تلخ کامیوں میں اور اضافہ کر دیا۔

(۴) ان کا قدیم خاندانی مکان محلہ براہم پور بدایوں میں تھا۔ یہ وسیع حویلی جو محل کے نام سے مشہور تھی ان کے پردادا اکبر علی خاں تحصیلدار کی ملکیت تھی۔ جب حسرت نے ستایا تو فانی نے اس پر بینک سے قرض لیا۔ بالآخر یہ حویلی نیلام ہو گئی۔ اور اس کو ان کے پھوپھی زاد بھائی عبد الکریم خاں نے خرید لیا۔ اب اس میں آنریری مجسٹریٹ کے بشیر زادے نواب علی خاں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسی محلے میں ان کی کئی حویلیاں تھیں۔ انھیں میں وہ حویلی بھی تھی جو ان کی والدہ کو جہیز میں ملی تھی اور بڑا محل کہلاتی ہے۔ ان کی جائداد کی صحیح تعداد تو بتانا مشکل ہے اس قدر معلوم ہے کہ رمضان پور، سورت پور، پھول پور، حاجی پور، نگرالہ اور خاص بدایوں میں روضۂ اخلاص خاں کے نواح میں ان کی زمینداری تھی۔

(۵) اگرچہ آخر میں زندگی کی مایوسیوں اور ناکامیوں نے بالکل ہی

لہ نواب بشارت علی خاں، فانی کے دادا نہ تھے۔ جیسا کہ بعض اصحاب نے لکھا ہے، بلکہ ان کے دادا کے حقیقی بھائی تھے۔ اور یہ کے واقعات کے لئے ذاتی معلومات کے علاوہ میں ایک معمر خاتون سے (جو فانی کے حقیقی چچا ولایت علی خاں کی دختر ہیں اور جنھوں نے ان کے ساتھ ایک گھر میں پرورش پائی ہے) بہت مدد لی۔

لہ راقم الحروف کو جناب فانی سے پہلی بار نہیں نیاز حاصل ہوا تھا۔

ان کا دل بجھا دیا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ سے افسردہ طبیعت نہ تھے بلکہ شروع میں تو خاصے خوش طبع اور ظریف مزاج تھے۔ گھر میں بھائی بہن اگر خاموش یا اداس ہوتے تو ان سے کہتے "تم لوگ ہنسی خوشی رہا کرو۔ مجھے روتی صورت بُری معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر کسی کو اداس دیکھتا ہوں تو میرے دل کو صدمہ ہوتا ہے۔" آخر زمانے میں بھی وہ غم کی تلخی کو تبسم کی شیرینی سے چھپانے کا سلیقہ رکھتے تھے اور ملنے والوں کے ساتھ بڑے بڑے اخلاق اور ظرافت سے پیش آتے تھے۔ طبیعت میں ہمدردی، مروت اور فراخ دلی بدرجہ اتم تھی وہ عام شاعروں کی طرح تعلّی کے عادی نہ تھے۔ کوئی خوش ذوق ملنے آتا اور کلام سننے کی خواہش کرتا تو بلا تکلف نہ رکتے تھے۔ اگرچہ زندگی ہی میں (وا ان کی نہ سہی) ان کے کلام کی ملک میں کافی قدر ہو گئی تھی لیکن وہ ہمیشہ عجز و انکسار سے کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مشہور رسالے میں ان کے کلام پر اعتراضات شائع ہوئے اس پر بعض احباب نے جواب لکھنا چاہا۔ مگر انھوں نے منع کر دیا۔ وہ اپنے والدین کا بیحد ادب کرتے تھے۔ جب وہ بریلی کالج میں زیر تعلیم تھے۔ ان کی والدہ علیل ہو گئیں۔ جس پر والد نے فانی کو بدایوں طلب کیا۔ یہ کچھ دیر کر کے آئے تو والد نے بہت سخت و سُست کہا۔ مگر اس خدا کے بندے نے آنکھ اوپر نہ اٹھائی اور کمال ادب کے ساتھ دونوں سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگی۔ فانی کو لڑکپن سے شعر کا ذوق تھا مگر باپ شاعری کے خلاف تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگی میں وہ کبھی مشاعرے میں گئے نہ کسی کی شاگردی[۱] اختیار کی حالانکہ اس زمانے میں وطن میں شعر و سخن کا بڑا چرچا تھا۔ خودداری کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ حیدرآباد میں ولی عہد سلطنت ان پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے لیکن فانی نے اپنے کسی بیٹے کے لئے بھی ان سے سفارش کرنا گوارا نہ کیا۔ جب ان کی عالیشان حویلی نیلام پر چڑھنے والی تھی تو اُن کے ایک دوست ملنے آئے اور نیلام کا ذکر چھیڑا۔ فانی نے برجستہ یہ شعر پڑھ دیا۔

اپنے دیوانے پہ اتمام کرم کر یا رب
در و دیوار دیے اب انھیں ویرانہ دے

دوست کا اصرار تھا کہ فانی جا کر منصف سے جو ان کا شناسا تھا ملیں اور رعایت کے خواستگار ہوں۔ مگر ان کی غیور طبیعت کسی کا احسان لینے پر آمادہ نہ ہوئی ان کو شروع سے ناز و نعمت کی زندگی کی عادت تھی اور فضول خرچی کی لت۔ اکثر پان میں کوکین بھی کھاتے تھے۔ شاعری کے انہماک میں وکالت سے ہمیشہ بے توجہی برتی تو جو آمدنی میں کمی ہوتی گئی اور اخراجات میں زیادتی۔ آخر جائداد اور مکانات سب قرضے کے ٹھکانے لگ گئے۔

(۶) فانی ایک متمول خاندان کے فرد تھے جس کے اکثر ارکان زمیندار اور بعض وکیل یا سرکاری عہدہ دار تھے۔ ان کے والد کے زمانے میں وہ قدیم شان امارت باقی نہ رہی تھی۔ اسی لئے موصوف کو پولیس انسپکٹری کرنا پڑی۔ چنانچہ جس زمانے میں وہ تھانہ بشنی[۱] ضلع بدایوں میں متعین تھے وہیں ۱۸۷۹ء میں فانی پیدا ہوئے۔ جب فانی بڑے ہوئے اور تعلیم سے فراغ حاصل ہوا تو باپ نے ان کو وکالت کی راہ پر ڈالا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ وہ ذہین آدمی تھے۔ اگر وکالت کی طرف پوری توجہ کرتے تو اچھے وکلا کی طرح ہزار دو ہزار ماہوار کما لیتے مگر اردو زبان ایک (genius) سے محروم ہو جاتی۔ جو ہر ایک وقت اپنے عہد میں میر کا درد و سوز اور غالب کی رفعت فکر رکھتا تھا۔ اور پھر بھی ان دونوں سے الگ ایک انفرادی شان کا مالک تھا۔ وکالت کے سلسلے میں بدایوں کے بعد بریلی گئے۔ پھر لکھنؤ۔ اٹاوہ اور آگرہ میں قسمت آزمائی کی مگر گردش بخت نے کہیں ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر حیدرآباد کی راہ لی۔ اور چند سال وہاں گزار کر ۱۹۴۱ء میں فانی عالم باقی کو سدھارے اور امیر و داغ کی طرح خاک دکن کے پیوند ہوئے۔

خاک اس سے عشق نے چھنوائی تھی
دشت میں مجنوں کی مٹی لائی تھی

(۷) فانی اعتقاداً اہل سنت و جماعت سے تھے۔ وہ مذہب کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اگرچہ وہ کسی کے باضابطہ مرید نہ تھے لیکن تصوف سے طبعاً لگاؤ ضرور تھا۔ جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ فانی کے والد ایک زمانے میں دہریت کی طرف مائل تھے۔ فانی اکثر ان کو قرآن مجید پڑھ کر سناتے اور اس کے مطالب بتاتے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کچھ دنوں میں راہ راست پر آ گئے اور مذہب کے پابند ہو گئے۔

(۸) ان کی زندگی غم و الم کی ایک مستقل داستان ہے۔ قیاس ہے کہ محبت کی ناکامی، معاش کی تنگی اور بعض اعزہ کے برتاؤ نے ان کو قنوطی بنا دیا تھا ان کا اخلاق کا تصور اتنا بلند تھا کہ ملنے والوں میں اگر کوئی معیار پر پورا نہ اترتا تو ان کو کوفت ہوتی تھی۔ یہی کوفت کبھی کبھی ان کے کلام میں وطن کی شکایت بن کر ظاہر ہوتی تھی۔

زین حشر فانی کی قیامت ہے معاذاللہ مجھے اپنے وطن کی سرزمیں معلوم ہوتی ہے
ایسے ہی ناساز گار ماحول سے گھبرا کر غالب یوں پکار اٹھتے تھے۔

گرد ہم شرح ستم ہائے عزیزاں غالب
رسم امید ہما نا ز جہاں برخیزد

۱؎ فانی نے شعر میں اپنے ذوق سلیم ہی کو رہبر بنایا اور کسی کی شاگردی نہ کی۔ اسی طرح دوسروں کو بھی کم شاگرد کرتے تھے۔

۱؎ بعض لوگوں نے غلطی سے قصبہ اسلام نگر ضلع بدایوں کو فانی کا مولد یا وطن قرار دیا ہے۔

ہماری زبان

۱۵ - دسمبر ۱۹۵۶ء

ہمارے مشاعرے

مدت سے مشاعرے ہماری تہذیبی اور مجلسی زندگی کا بہت اہم جز رہے ہیں۔ انھوں نے ہماری ادبی تاریخ بنائی ہے اور ان کی نوعیت اور کیفیت نے ہمارے شعرا کے مزاج اور مذاق پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ مشاعرے پہلے بھی ہوتے تھے لیکن پہلے ان کی تعداد بھی کم ہوتی تھی اور ان کے حاضرین بھی نسبتاً کم ہوتے تھے۔ پھر پہلے مشاعرے زیادہ تر طرحی ہوا کرتے تھے اب جو مشاعرے ہوتے ہیں ان میں ہزاروں آدمی شریک ہوتے ہیں۔ درجنوں کی تعداد میں یہ منعقد ہوتے ہیں اور بیشتر غیر طرحی ہوتے ہیں۔ ان مشاعروں میں اکثر معیار سے زیادہ مقبولیت کا، شاعری سے زیادہ موسیقی کا، ادب سے زیادہ بے ادبی کا اور سخن فہمی سے زیادہ خوش فہمی یا جذباتیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ مشاعرہ ایک تفریحی چیز ضرور ہے اس لئے کہ شاعری بھی ایک تفریحی چیز ہے مگر صرف تفریحی نہیں۔ فرحت یا انبساط یا حظ ادب کا انعام ہے۔ مگر اس فرحت و انبساط کے ساتھ ایک بصیرت بھی ضروری ہے، ورنہ سستی تفریح کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں۔ ہمارے مشاعروں میں تفریحی پہلو کو بہت زیادہ اہمیت دے دی گئی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں جو لوگ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں ان کا مقصد صرف دل بہلانا یا ایک چاشنی اور لطف حاصل کرنا ہے۔ فلمی گانوں، سستے رسالوں اور سنسنی خیز افسانوں نے ان کا مذاق بگاڑ رکھا ہے اسی مذاق اور معیار کے لحاظ سے وہ مشاعروں کو دیکھتے اور سنتے ہیں۔ یعنی مشاعروں کی موجودہ مقبولیت ہی میں ان کے معیار کی پستی کا راز مضمر ہے اس کا ماتم کرنے کے بجائے ہمیں لوگوں کے مذاق کو بلند کرنا چاہئے اور ان میں اچھی اور بری شاعری کی پرکھ پیدا کرنا چاہئے۔ مگر مشاعروں کی موجودہ کیفیت کی ذمہ داری صرف سننے والوں پر نہیں ہے۔ سنانے والوں پر بھی ہے۔ ہمارے شاعر عموماً جلد ہی کاہلی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ نیا کلام نہیں سناتے۔ وہ آپس کی چشمک کی وجہ سے مشاعرے کے آداب کا خیال نہیں رکھتے۔ مشاعرے کی کامیابی کے لئے چونکہ منتظمین کو شعرا کی ناز برداری کرنی پڑتی ہے اس لئے وہ اس وقت اپنی ہر کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی شاعری سے محبت کے ساتھ ان کی تمام ذاتی کمزوریاں اور عادتیں محبوب ہیں، یہ غلط ہے کسی کی شاعری کو پسند کرنے کے یہ معنی نہیں کہ شاعر میں شخص کی حیثیت سے جو کوتاہیاں ہیں وہ بھی عزیز ہو گئیں۔ پھر اگر منتظمین مشاعرہ تمام شعرا کے ساتھ مساوات برتنا چاہتے ہیں تو بھی کچھ لوگوں کو ناگوار ہوتا ہے۔ ہمارے شعرا کو ادب اور تہذیب کے سارے آداب خود برتنا چاہئیں۔ اس کے بعد وہ دوسروں سے اس کی توقع کر سکتے ہیں۔

مشاعروں کی صدارت کے سلسلے میں اب جو لیڈروں اور افسروں کو نوازنے کا رواج ہو گیا ہے یہ غلط ہے۔ صدر مشاعرے کا ایک بلند علمی و ادبی درجہ ہو تو مشاعرے کی کامیابی پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے۔ ادب سیاست یا سماجی ضروریات سے بے نیاز نہیں، مگر اسے وقتی مصالح کا شکار بھی نہیں بنانا چاہئے۔

پہلے جو لوگ مشاعرے سنتے تھے انھیں زبان پر خاصا عبور ہوتا تھا بہت سے شعرا کا کلام انھیں ازبر ہوتا تھا۔ وہ داد دینے میں اچھی خاصی تنقید کر دیتے تھے۔ اب ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں جنھیں اردو شاعری سے دلچسپی تو ہے مگر وہ اردو اچھی طرح نہیں جانتے۔ ایسے لوگوں پر اعتراض کرنے کے بجائے ہمیں ان کی مجبوری کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔ فارسی جاننے والے ملک میں دن بہ دن کم ہوتے جاتے ہیں۔ آج کی اردو زبان میں فارسی کے الفاظ تو بہت ہیں مگر عام طور پر لوگ انھیں الفاظ سے واقف ہیں جو برسوں سے رائج ہیں ہماری ادبی زبان جو اب تک فارسی سے زیادہ متاثر تھی۔ اب بدل رہی ہے اس میں ہندی اور انگریزی کے الفاظ آ رہے ہیں۔ مشاعروں میں وہ شاعر زیادہ مقبول ہوتے ہیں جن کی زبان نسبتاً آسان ہے یا جن کے خیالات موجودہ دور کے رجحانات کے مطابق ہیں، یہ بالکل فطری بات ہے۔ اس پر جھگڑنے یا کڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اسے سمجھنا چاہئے۔ ہمارے شعرا کو عوام کے جذبات خیالات مزاج، زبان اور بول چال کا زیادہ لحاظ رکھنا چاہئے۔ ادبی زبان تمام تر بول چال کی زبان نہیں ہو سکتی مگر بول چال کی زبان سے اور قریب اور اسی عام فہم تو ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں انگریزی کی مثال سے ہمیں مدد مل سکتی ہے۔

آج کل کے مشاعروں میں ہمارے شعرا زیادہ تر ایک احساس شکست یا ماندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ملک میں ابھی ایسے اسباب موجود ہیں جن کی وجہ سے اس کیفیت کو غذا ملتی ہے۔ مگر اچھا شاعر ایک لکیر کا فقیر نہیں ہوتا اس کی نگاہ اور بلند اور اس کا دل اور وسیع ہونا چاہئے۔ ہندوستان میں آج صرف ماتم، بے وقت کی راگنی ہے، یہاں ایسے صالح عناصر بھی پرورش پا رہے ہیں جن سے دلوں میں امنگ بڑھتی ہے۔ ہماری آزادی شروع میں بعض بڑے قابل نفرت واقعات کی وجہ سے داغدار رہی، مگر اس آزادی نے لا تعداد امکانات کا دروازہ کھولا ہے۔ ملک میں کچھ کرنے اور کچھ پانے کا ولولہ ہے۔ سماج کی بہتر تنظیم کی داغ بیل پڑ رہی ہے جو لوگ صرف اپنے باغوں کے حسن کو دیکھتے تھے انھیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں کے حسن کو بھی جذب کرنا ہے۔ ہندوستان کی بہت بڑی آبادی کی رات ابھی مفلس کے چراغ سے روشن ہے لیکن بجلی کی روشنی پھیل رہی ہے۔ ملک میں آئے دن سیلاب آتے ہیں اور ان کی غارت گری سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ مگر سیلاب پر بند بھی باندھے جا رہے ہیں۔ ہمارے شاعر، صرف اردو کے یا متوسط طبقے کے یا بیشتر مسلمانوں کے جذبات کے مصور کیوں ہوں، وہ سب زبانوں کے، سب طبقوں کے، سارے ہندوستانیوں کے جذبات کو کیوں نہ اپنائیں۔ اردو کے شاعر کو اپنی کال کوٹھری

سے نکلتا جا رہا ہے۔ آج سیاسی حقائق کچھ ہوں لیکن اردو شاعری جتنی مقبول ہے ملک کی کسی زبان کی شاعری نہیں۔ یہ مقبولیت اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جب یہ سب کی سمجھ میں آئے اور سب کے دل کی ترجمانی کرے۔ کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ شاعر اگر اپنے گرد جہنم دیکھے ہیں تو وہ اسے جنت کہنے لگیں۔ انھیں ہماری اس دنیا کا اور گہرا علم ہونا چاہئے جس میں جنت و جہنم میں جنگ ہے۔ جہاں رنج و راحت، امید و بیم، نور و ظلمت کی کشمکش سے ایک نیا انسان وجود میں آ رہا ہے۔

مشاعروں کی مقبولیت اچھی چیز ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں مشاعرے ایسا تہذیبی و ادبی ادارہ نہیں ہے اس کے ذریعے سے شاعر اور سامعین کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ یہاں حسن کاری کو ایک تہذیبی کارنامہ بنایا جاتا ہے۔ اس کی اصلاح کرنی چاہئے، اسے ختم کرنے کا سوال نہیں ہے۔ مشاعرہ کے ذریعے سے اردو زبان، سارے ہندستان کے دل میں گھر کر سکتی ہے یہ ہمارے شاعروں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ دیکھیں اس سے کون کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے۔

بقیہ انتخاب مشاعرہ لکھنؤ ریڈیو

کتنا نازک ہے خدا رکھے محبت کا مزاج — اب تسلی بھی دل آزار ہوئی جاتی ہے
ہر گھڑی ہے ترے سامنے شرمندہ سی — چاندنی سایۂ دیوار ہوئی جاتی ہے

(سراج لکھنوی)

لکھ گیا ہے در میخانہ پہ کوئی آزاد — زندگی لغزش مستانہ ہے زنجیر نہیں
مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے تری تقدیر کا راز — جو ترے دل میں نہیں ہو تری قسمت میں نہیں

(روش صدیقی)

کہیں عذاب دیا ہے کہیں نشاط و وفا — کہیں کہیں سے تماشائے روزگار کریں
کھلی زبان مرادوں بزم نامرادی میں — کہ سوگواروں کو کیا اور سوگوار کریں

(سید احسن جذبی)

جب کوئی فتنۂ ایام نہیں ہوتا ہے — زندگی کا بڑی مشکل سے یقیں ہوتا ہے
فتنہ ہوتا ہے جو منسوب فلک سے در اصل — تربیت یافتۂ اہل زمیں ہوتا ہے

(حبیب احمد صدیقی)

کس کو ملتا ہے غم زیست سے دنیا میں فرار — ہاں مگر تیری جفاؤں میں اماں پائی ہے

(غلام ربانی تاباں)

ہر ذرۂ خاکی کو کرن ہم نے بنایا — مٹی کو لہو دے کے چمن ہم نے بنایا
تاریخ جنوں یہ ہے کہ ہر دور خرد میں — اک سلسلۂ دار و رسن ہم نے بنایا

(رشید واحدی)

یہ کہہ کے آتے آتے رک گئی صبح بہار اپنی — ابھی تو ماہ میں ہنگامۂ شیخ و برہمن ہے

(شفیق جونپوری)

کسی نے میرے مقدر سے کر دیا منسوب — جنون عشق کو بھی گردش جہاں کو بھی
وطن اٹھائے ہوئے ہوں میں اپنے شانوں پر — زمیں ہی کو نہیں ہفت آسماں کو بھی

(اختر انصاری)

مشاعرے

نثار قسیم صاحب بمبئی کے مکان پر بچوں کا مشاعرہ ہوا اس کی صدارت بچوں کے محبوب شاعر سید مشتاق بیجاپوری کر رہے تھے بیکاچی کا کام جناب خالد شاہین انجام دے رہے تھے سو سے زائد بچوں نے مشاعرہ میں شرکت کی اور ۲۰ بچوں نے اپنا کلام سنایا۔

(روزنامہ ہندستان بمبئی)

ادارۂ شمع ادب کی طرف سے محمد علی صاحب نجمی کی صدارت میں ایک طرحی مشاعرہ سیہور (بھوپال) میں منعقد ہوا یہ مشاعرہ ۹ سے ۲ بجے رات تک ہوتا رہا۔

(روزنامہ ندیم بھوپال)

حضرت چشتی میاں کے عرس کے موقع پر گھریا (رام پور) میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں نعتیہ دور کے بعد بہاریہ دور شروع ہوا جناب شاد عارفی صاحب نے صدارت فرمائی۔

(روزنامہ ناظم رام پور)

بزم امن (رام پور) کے زیر اہتمام قمر سرسوی کے اعزاز میں مختصر بزم مشاعرہ منعقد ہوئی۔ صدارت جناب وزیر حسن نے فرمائی قمر سرسوی صاحب نے چند قطعات سنائے جو بہت پسند کئے گئے۔

(روزنامہ ناظم رام پور)

لکھنؤ ریڈیو مشاعرہ لکھنؤ کا آل انڈیا ریڈیو مشاعرہ ۱۰ دسمبر کی رات میں ہوا۔ حضرات شعراء نے اپنا اپنا کلام سنایا اور حاضرین و غائب داد پاتے رہے۔

پروفیسر آل احمد سرور صاحب عین وقت پر یونیورسٹی کے ایک ضروری کام کی وجہ سے مشاعرے میں شرکت نہیں کر سکے اور مجبوراً معذرت کی اطلاع دینی پڑی۔

ہمارے ایک نامہ نگار نے اس مشاعرے کے چند اشعار اپنے مذاق کے مطابق قلم بند کر کے بھیجے ہیں۔ جو لطف سے خالی نہیں

انتخاب مشاعرہ لکھنؤ ریڈیو ۱۰ دسمبر ۱۹۵۶ء

جو کبھی مل جائے محبت میں وہی انعام دوست — لطف بھی ہے بہی کیف شکست دل سہی
میں طائر آوارہ و رسوا تو ہوں لیکن — محدود چمن تک مری پرواز نہیں ہے
آجاؤ کہ اب خلوت غم خلوت غم ہے — اب دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہیں ہے

(جگر مرادآبادی)

آ زندگی کے نام پہ نئے نشانیں دوست — اور اس سے بے نیاز کہ نام و نشاں نہ ہے

(اثر لکھنوی)

کتنی کرنیں جو افق پر ڈوبے نئی تھیں جال — اک فضا ابھری افق سے اور نگاہیں ہو گئیں
زندگی سے جہد میں ہارا ابھی دل ہی تھا کہ — کچھ خطائیں ہو نہ پائیں کچھ خطائیں ہو گئیں

(آنند نرائن ملا)

انجمن کی خبریں

حیدرآباد (آندھرا)

اردو ہال میں مرکزی اردو کتاب خانہ کے لئے کتابوں کے عطائے کی اردو ہال ٹرسٹ نے ایک اپیل جاری کی ہے۔ اس اپیل پر اراکین ٹرسٹ جناب غلام یزدانی، محمد احمد مرزا، سید ینگ، جانکی پرشاد، محمد فضل الرحمٰن، میر عابد علی خاں، سید محمد یونس، محمد سجاد مرزا اور حبیب الرحمٰن صاحب کے دستخط ہیں۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اردو ہال ٹرسٹ رجسٹرڈ حکومت آندھرا اسٹیٹ کے مقاصد میں ایک اہم مقصد یہ ہے کہ شہر حیدرآباد میں اردو کا ایک مرکزی کتب خانہ قائم کیا جائے۔ اس غرض سے دیواری الماریوں کے ساتھ ایک وسیع ہال حمایت نگر میں بن چکا ہے۔ اس میں تقریباً دس ہزار کتابیں حفاظت کے ساتھ رکھی جاسکتی ہیں۔

جو کتابیں وصول ہوں گی ٹرسٹ کی طرف سے باضابطہ رسیدیں دی جائیں گی اور ہر کتاب پر دینے والے کا نام اور پتہ لکھا جائے گا۔ قلمی نسخوں کی نگہداشت کا خاص انتظام رہے گا۔

ناگور (راجستھان)

مولوی احترام الدین صاحب جنرل سکریٹری ریاستی شاخ انجمن ترقی اردو راجستھان اطلاع دیتے ہیں کہ ابوالفضل اور فیضی کے وطن ناگور میں کچھ عرصہ ہوا انجمن کی شاخ قائم ہوگئی تھی اب اس کا ریاستی شاخ سے باضابطہ الحاق ہوگیا۔ اور شاخ مذکور بڑی سرگرمی سے کاموں کو آگے بڑھا رہی ہے اس کے عہدہ دار حسب ذیل ہیں۔

(۱) رشید احمد صاحب وکیل (دھینگ) صدر
(۲) شری سورج مل جین وکیل نائب صدر
(۳) حافظ عبدالقیوم صاحب غوری جنرل سکریٹری
(۴) محمد احسان صاحب انصاری جوائنٹ سکریٹری
(۵) حافظ عبداللہ صاحب تاجر آہن خازن

نوسل (ضلع سیکر راجستھان)

یہاں کے اردو دوست حضرات نے جنرل سکریٹری صاحب ریاستی شاخ کے توجہ دلانے پر ایک شاخ قائم کرلی ہے اور اس کا الحاق ریاستی شاخ سے ہوگیا ہے اس انجمن نے ایک اردو مدرسہ کی عمارت تعمیر کرانے کا کام سرگرمی سے شروع کردیا ہے نیز اردو کی تعلیم کا کام بھی تیزی سے جاری ہے

اس شاخ کے عہدے دار حسب ذیل ہیں۔

(۱) محمد حنیف صاحب قریشی صدر
(۲) شجاع الدین صاحب قریشی نائب صدر
(۳) سید بشیر علی صاحب سکریٹری
(۴) فضل الدین صاحب قریشی نائب
(۵) عبدالمجید صاحب قریشی آفس سکریٹری
(۶) مولانا غلام ایوب صاحب چشتی خازن

دہلی

احمد جواد صاحب جائنٹ سکریٹری اطلاع دیتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند شاخ دہلی کی پندرہ روزہ نشست ۲۳ نومبر ۱۹۵۷ء کو جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ پروگرام کے مطابق یہ نشست آنجہانی علامہ برج موہن دتاتریہ کیفی کی یاد میں نظموں اور تقاریر پر مشتمل تھی۔

گوپی ناتھ امن صاحب صدر جلسہ نے علامہ کیفی کی علمی و ادبی اور گوناگوں خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ علامہ کیفی ان عظیم شخصیتوں میں سے تھے جن کی عظمت بزرگی اور علمیت کا احساس ان سے ملنے والے کے دل میں ہمیشہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔ علامہ کیفی کی بیش بہا خدمات کا ذکر کرتے ہوئے امن صاحب نے کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ انجمن ترقی اردو ہند تقسیم ہند سے قبل عبارت تھی علامہ کیفی اور ڈاکٹر عبدالحق سے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ امن صاحب نے اردو داں طبقہ سے اور خصوصاً انجمن ترقی اردو ہند سے اپیل کی کہ وہ علامہ کیفی کے بکھرے ہوئے اور غیر مطبوعہ کلام اور تحریروں کو یکجا کرنے کی سعی کریں اور اس طرح اردو ادب کے ایک قیمتی سرمایہ کو محفوظ کریں۔

جناب تلوک چند محروم نے کہا کہ علامہ کیفی کی ادبی فضیلت کا ذکر کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ناممکن تھا کہ کوئی علامہ کیفی سے نیاز حاصل کرتا اور ان کی ادبی شخصیت اور شریفانہ برتاؤ سے متاثر نہ ہوتا۔ محروم صاحب نے اپنی ایک رباعی سنائی جو انھوں نے کیفی آنجہانی کی ۸۰ ویں سالگرہ پر پڑھی تھی۔

ناظم ہیں واقفِ کلامِ کیفی — ناثر ہیں پیروِ نظامِ کیفی
ایوانِ ادب کے ہیں یہ بانی و معمار — نقشِ در و دیوار ہے نامِ کیفی

جناب عبدالباقی صاحب ایڈیٹر پیام وطن نے علامہ کیفی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اردو ادب میں علم لسانیات اور تنقید نگاری کے فن کو ایک مستقل مقام عطا کردیا

جناب آنند موہن گلزار زتشی صاحب نے علامہ کیفی کی یاد میں ایک نظم سنائی۔

برہان پور (مدھیہ پردیش)

شاخ انجمن ترقی اردو برہان پور کی مجلس عاملہ نے ۲۰ دسمبر ۱۹۵۶ء کے ایک جلسے میں ۲۰ قراردادیں منظور کیں جو مدھیہ پردیش سرکار اور برہان پور میونسپل کمیٹی کے سامنے پیش کی گئیں۔ ذیل میں چند قراردادوں کا خلاصہ دیا جا رہا ہے:

(۱) مدھیہ پردیش ابتدائی اردو مدرسوں کی تربیت کے لئے اردو نارمل اسکول کھولے جائیں۔

(۲) برہان پور کے گورنمنٹ گرلس اسکول میں ابتدائی اور ثانوی مدرسے علیحدہ علیحدہ کردئے جائیں۔

(۳) مدھیہ پردیش کی یونیورسٹیوں میں مشرقی زبانوں کے امتحانات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

(۴) جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کو تسلیم کیا جائے اور جامعہ اردو کے سند یافتہ لوگوں کو ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا موقع دیا جائے۔

(۵) ریاستی ثانوی تعلیمات کے بورڈ میں انجمن ترقی اردو کے نمائندے کو بھی شامل کیا جائے۔

(۶) انجمن ترقی اردو برہان پور کے شبینہ مدرسوں کو امداد دی جائے

(۷) مدھیہ پردیش ریاست میں ایک اردو رسالے کا اجرا کیا جائے جو اردو داں طبقے کے لئے حکومت کے منصوبوں کی تشہیر کرے۔

(۸) عدالت میں اردو میں بھی درخواستیں منظور کی جائیں۔

(۹) بھوپال اور اندور کے ریڈیو اسٹیشنوں سے اردو میں بھی پروگرام نشر کئے جائیں۔

(۱۰) ریاست کے اردو شاعروں اور مصنفوں کو وظیفے دئے جائیں۔

(۱۱) جن دیہاتوں میں ۴۰ یا اس سے زائد اردو پڑھنے والے بچے ہوں وہاں اردو مدرسے کھولے جائیں۔ ٭

(۱۲) برہان پور میں ۴۰ فی صدی آبادی اردو بولنے والوں پر مشتمل ہے اس لئے برہان پور میونسپل کمیٹی اپنا دفتری کام ہندی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی کرے۔

(۱۳) برہان پور میونسپل ہائی اسکولوں میں جن درجوں میں ۴۰ اردو کے طالب علم ہوں ان میں میونسپل کمیٹی الگ سیکشن کھولنے کا انتظام کرے۔

بلند شہر یوپی — جلسۂ تعزیت

انجمن ترقی اردو شاخ بلند شہر نے مشہور صحافی اور شاعر حضرت مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے سانحۂ مرگ سے متاثر ہو کر ایک ہنگامی جلسہ بہ صدارت جناب خضر برنی صاحب منعقد کیا جس میں مولانا ظفر علی خاں کی وفات پر اظہار تعزیت کیا گیا اور کہا گیا کہ ان کی عظیم شخصیت اٹھ جانے سے اردو ادب میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا اب مشکل ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے سیاست ادب اور شاعری کے میدان میں بہت نمایاں حصہ لیا۔ خدا انہیں جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔"

اس سلسلے میں ایک ماتمی بزم مشاعرہ بھی منعقد ہوئی جس میں مقامی شعراء حضرت خضر برنی۔ مختار احمد سحر، جوہر سرحدی۔ کوثر علی برنی وغیرہ نے حصہ لیا۔

نظر برنی
پروپیگنڈہ سکریٹری

امروہہ (یوپی)

انجمن ترقی اردو شاخ امروہہ ہر سال ایک عظیم الشان ادبی اجتماع کرتی ہے امسال بھی روایات کے مطابق بزم مقالات منعقد کی جا رہی ہے۔ تقریری مقابلہ اور دیگر ادبی مشاغل بھی اس پروگرام میں شامل ہیں۔ گزشتہ اجتماعات میں ڈاکٹر سید محمود، رو‌ش صدیقی وغیرہ دیگر مشاہیر شرکت فرما چکے ہیں۔

امسال انجمن کی مجلس عاملہ نے پروفیسر آل احمد سرور صاحب سے خصوصی شرکت کی درخواست کی گئی ہے۔

غزل

درد غم فراق کا درماں نہ ہو سکے — وہ ترد بہ التفات فراواں نہ ہو سکے
ہر چند ہم غموں سے ہراساں نہ ہو سکے — اُلفت کے مرحلے تھے کہ آساں نہ ہو سکے
اک ہم کہ مبتلائے غم آرزو رہے — اک وہ کہ شوق دید کا ساماں نہ ہو سکے
اک ہم کہ ہر نظر، نظر جلوہ سنج ہے — اک وہ کہ جن سے جنبش مژگاں نہ ہو سکے
یا آپ کو تغافل بے جا پسند ہے — یا آپ محرم غم پنہاں نہ ہو سکے
اک بار ادھر بھی اے نگہ فتنہ زا کہ ہم — لذت کش جراحت پیکاں نہ ہو سکے

کیا کیجئے آمین کہ الفت انہیں سے ہے
جو داستان شوق کا عنواں نہ ہو سکے

سید آمین اشرف

اردو دنیا

چیف منسٹر آندھرا اور اردو
(روزنامہ سیاست حیدرآباد کے حوالے سے)

ہندی پرچار سبھا کی طرف سے کابینہ آندھرا کے اعزاز میں ترتیب دی ہوئی ایک خیر مقدمی تقریب میں مسٹر این سنجیو ریڈی چیف منسٹر آندھرا نے کہا کہ یوں عام طور پر اور بالخصوص ایسے علاقوں میں جہاں ہندی نہیں بولی جاتی۔ ہندی کی اشاعت نہایت احتیاط کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی علاقے میں اس کو زبردستی دوسروں پر مخصوص نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ ہندی کے بعض پرجوش حامیوں کا خیال ہے۔ عوام کو یہ بات بتائی جائے کہ اگر وہ ہندی سے واقف نہ ہوں گے تو دوسروں سے پیچھے رہ جائیں گے اس لئے ہندی سیکھ لینی چاہیئے۔

انھوں نے یہ بھی کہا کہ بدقسمتی سے شمال میں ہندی کے پرچار میں ایک طرح کے جنون سے کام لیا جاتا ہے اگرچہ ایسے جنونی بہت تھوڑے ہیں مگر پھر بھی اس کا ہندی کے خلاف جنوب میں ردعمل ہوا۔

انھوں نے اپنے متعلق کہا کہ میں سردار پٹیل کی ہندی پوری طرح سمجھ سکتا ہوں مگر مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر سمجھنا میرے بس سے باہر ہے۔ انھوں نے کل ہند کانگرس کمیٹی کے حالیہ جلسے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہاں جو ہندی بولی جا رہی تھی مگر میں اس کے سمجھنے سے قاصر رہا۔ میں سہل ہندی یا اردو سمجھ سکتا ہوں۔ اب حیدرآباد کے عوام سے میل جول کے بعد مجھے ہندی اردو سے پوری واقفیت میں دشواری نہ ہوگی۔ انھوں نے مزاحاً کہا کہ میں آئندہ ہندی اردو ملی ہوئی تلنگی بولا کروں گا۔

یوم حالی

دسمبر کے پہلے ہفتے میں انجمن عوامی مصنفین کے زیر اہتمام اردو ہال میں مولانا الطاف حسین حالی کی یاد منائی گئی۔ ڈاکٹر سید محی الدین زور جلسے کے صدر تھے۔

امریکہ میں اردو

امریکہ میں جدید زبانوں کی ایک انجمن ہے، جس نے بتایا ہے کہ امریکہ کے چھ تعلیمی اداروں میں اردو اور ہندی پڑھائی جاتی ہے۔ فرانسیسی زبان سب سے زیادہ مقبول ہے یہ ۱۰۹ اداروں میں پڑھائی جاتی ہے۔ ہسپانوی ۸۹۶، جرمنی ۸۲۵، اطالوی ۲۱۲، روسی ۱۸۲، چینی ۲۹، جاپانی ۲۳۔ اداروں میں پڑھائی جاتی ہے۔

کولمبیا یونیورسٹی میں یورپ کی بڑی زبانوں کے علاوہ البانوی، بنگالی، کوریائی، یونانی، ازبک ویٹ نامی وغیرہ زبانیں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

اردو زبان سے دلچسپی
(بحوالہ الفاروق کاشی)

سابق وزیر مدھیہ پردیش شری دوارکا پرشاد مصر وائس چانسلر ساگر یونیورسٹی نے ایڈیٹر صاحب الفاروق کو ایک دوستانہ ملاقات میں بتایا کہ میں اردو زبان کو ہندی سے جدا نہیں مانتا۔ اردو کا بھی ہندستان میں ایک خاص مقام ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ پچھلے دنوں جب مجھے بنارس کے ہندی ساہتیہ چیرمینی پیش کی گئی تو اس موقع پر میں نے اس شرط پر اسے قبول کرنے کا وعدہ کیا کہ اردو زبان کو بھی اپنایا جائے۔

ملا رموزی کی یادگار

روزنامہ افکار بھوپال کی اطلاع ہے کہ محلہ چھاونی کی کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ ملا رموزی مرحوم کی ایک مناسب یادگار قائم کی جائے اور مسجدی والی چوکی میں دارالمطالعہ اور کھیل کود کا ایک میدان بنا کر ملا رموزی کے نام سے منسوب کیا جائے۔

بنگالی ناول نگار کا انتقال

روزنامہ ہند کلکتہ کی اطلاع ہے کہ بنگال کے ممتاز ناول نگار مانک بندو پادھیائے کا جگر کی بیماری سے اسپتال میں انتقال ہوگیا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ سن کر مغموم ہوگئے۔ مرنے والے کی عمر ابھی صرف ۴۸ سال تھی۔

بین الاقوامی نمائش

تمام دنیا کی زبانوں کے رسم خط کی ایک نمائش گمشدہ دنیال (؟) میں ہو رہی ہے۔ اس میں اردو رسم خط کے نمونے بھی بھیجے گئے ہیں۔

اردو میں سکھوں کا حصہ

مشہور اور قدیم رسالہ رہنمائے تعلیم نے جو آج کل دہلی سے نکلتا ہے وائس چانسلر الہ آباد یونیورسٹی مسٹر جھا کی وہ تقریر شائع کی ہے جس میں موصوف نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا تھا کہ اردو کے فروغ میں ہندو شعرا نے بھی بہت بڑی مدد دی ہے

اس پر رسالہ مذکور کے فاضل نگراں سردار صاحب ماسٹر جگت سنگھ جی نے حسب ذیل نوٹ لکھا ہے۔

نوٹ:۔

"شری جھا نے اردو کے تعلق میں بہت اچھا کہا۔ مگر وہ یہ کہنا کیوں بھول گئے کہ اردو کی ترقی اور ارتقا کے کام میں سکھوں کا بھی کافی حصہ ہے۔ انہیں صاف طور پر اس امر کا اظہار کرنا چاہئے کہ اردو کی ترقی میں جہاں ہندوؤں نے حصہ لیا وہاں سکھوں نے اردو کی ترقی اور بقا کے سلسلے میں صدق دلانہ اور مخلص خدمت کی ہے، مثال کے طور پر رسالہ رہنمائے تعلیم ہی کو لیجئے اس رسالے کی ایثار بھری خدمات ملک کے برگزیدہ اور نامور اصحاب سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ جناب بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب ان خدمات سے بخوبی آشنا ہیں

جگت سنگھ

بین الاقوامی کانفرنس

مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے سربراہ مولانا عبدالحمید بھاشانی نے بہ مقام کاگ مری (مشرقی پاکستان) ایک بین الاقوامی ادبی اور تہذیبی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا ہے۔ کاگ مری ضلع میمن سنگھ میں واقع ہے اور مولانا موصوف کی جنم بھومی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ کانفرنس اگلے سال کے شروع میں بلائی جائے اور اس میں شرکت کے لئے پاکستان کے علاوہ بھارت، شام، افغانستان، انڈونیشیا، ترکی، مصر، برما اور دیگر مسلم ممالک کے فلاسفروں ادیبوں اور علماء کو دعوت دی جائے۔

(افکار کراچی)

حلقۂ ارباب ذوق

کراچی۔ اکتوبر کے آخری ہفتے میں حلقۂ ارباب ذوق کا سالانہ اجلاس یہاں کراچی میں منعقد ہوا۔ افتتاحی اجلاس میں مسٹر ممتاز حسن سکریٹری وزارت مالیات اور حلقے کے بانی ممبر نے مرکزی حکومت (پاکستان) کی جانب سے ۲۰ ہزار کی امداد کا اعلان کیا اور کہا کہ اس رقم کو حلقۂ ارباب ذوق اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی پر صرف کرے گا۔

پہلے اجلاس کی صدارت اردو کے ایک دیرینہ اور قابل احترام ادیب ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے فرمائی۔

شب میں مشاعرہ ہوا۔ (ماہنامہ افکار کراچی۔ پاکستان)

آندھرا میں اردو

آندھرا اسمبلی کے صدر مسٹر کالیشور راؤ نے اسمبلی میں بولی جانے والی زبانوں کے متعلق جو فیصلہ دیا ہے اس کی سب لوگ تعریف کر رہے ہیں یہ فیصلہ درحقیقت بڑی فراخ دلی اور دانش مندی پر مبنی ہے۔ محترم صدر نے کہا کہ اسمبلی کی زبانوں میں تلگو کا پہلا اردو کا دوسرا اور انگریزی کا تیسرا نمبر ہے۔ یوں ہر ممبر کو اپنی مادری زبان میں تقریر کرنے کی آزادی رہے گی۔

موجودہ آندھرا اسمبلی میں مذکورہ بالا زبانوں کے علاوہ کنڑی اور مرہٹی والے بھی کافی تعداد میں موجود ہیں جنھوں نے آندھرا کو پسند کر لیا ہے اور اپنی زبان کے علاقوں میں منتقل نہیں ہوئے۔

صدر کے خیر مقدم میں اکثر تقریریں تلگو اور انگریزی میں ہوئیں مگر مسٹر رام ریڈی پرجا سوشلسٹ لیڈر نے اردو میں تقریر کر کے سب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

اسمبلی کے صدر کے دانش مندانہ فیصلے کا ذکر کرتے ہوئے دکن کے وسیع اور ہمیشہ سچی رائے دینے والے روزنامہ سیاست نے اپنے ۶ دسمبر کے اداریے میں یہ سطریں لکھی ہیں۔

"اسمبلی کے پہلے اجلاس میں زبانوں کی اہمیت کو جس طرح تسلیم کیا گیا ہے۔ نظم و نسق بھی اگر اس اہمیت کو محسوس کر کے اور تلگو کی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی اس کا جائز مقام دے سکے تو یہ اس نئی ریاست کا عظیم الشان اور تاریخی کارنامہ ہوگا۔ تاریخی اس لئے کہ عام بول چال کی مشترکہ زبان نئے صوبے میں اپنی جگہ و مقام کے باعث حسب سابق موجود رہے گی۔"

آندھرا پردیش کے آغاز و ابتدائی دور میں دوسری زبانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ اطمینان بخش ہے اور یہی جذبہ اگر آئندہ جاری اور جاری رہے تو کم از کم اس صوبے کی حد تک لسانی اقلیتوں کے خصوصی افسر کو کوئی کام نہ رہے گا۔ اسپیکر اسمبلی اور چیف منسٹر نے جس اسپرٹ کے تحت اپنا کام شروع کیا ہے اگر ہر محکمہ اور ہر عہدہ دار اس پر عمل کرے تو آندھرا پردیش کئی اہم روایات و خصوصیات کا خالق بنے گا"

روس میں اردو (بشکریہ ریاست حیدرآباد کے حوالے سے)

فلمی دنیا کے مشہور فن کار مسٹر سہراب مودی نے بمبئی ریڈیو کلب میں اخبار نویسوں سے اپنے روس کے دورہ کا حال سناتے ہوئے اردو کے متعلق کہا کہ روس میں کافی لوگ اردو جانتے ہیں اس وقت میں سچ مچ حیران رہ گیا جب اچانک ایک روسی لڑکی نے مجھ سے پوچھا، آپ کا مزاج اچھا ہے؟ آپ کب تشریف لائے؟

انھوں نے روسیوں کا ہندستان سے اخلاص کا حال بتاتے ہوئے یہ دلچسپ لطیفہ سنایا کہ جس ہوٹل میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے اس کی لگی ہوئی دکان میں ایک چھوٹا سا خوبصورت بکس ہمیں پسند آیا۔ ہم نے اس کی قیمت معلوم کی تو ہمیں اندازہ ہوا کہ یہ چیز ہندستان میں مشکل سے سات آٹھ روپے کی ہوگی جس کے دام وہاں ستر روبل تھے ایک روبل ہندستان کے ایک روپیہ دو آنے کے برابر ہوتا ہے۔ خریدنے کی ہماری ہمت نہ پڑی۔ ہم نے بکس وہیں رکھ دیا۔ ایک روسی لڑکی بڑی دلچسپی سے یہ سب تماشا دیکھ رہی تھی اس نے فوراً ایک سو چالیس روبل دے کر دو بکس خرید لئے ایک خود رکھ لیا اور ایک ہمیں تحفۃً پیش کیا۔

پروفیسر شکوف کا اردو مقالہ (روزنامہ ہندستان بمبئی کے حوالے سے)

بمبئی کے سندرابائی ہال میں انڈو سوویٹ کلچرل سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک شاندار اجتماع ہوا جس میں تاشقند یونیورسٹی کے سابق پروفیسر اور روسی ادارہ دوکس کے ممتاز ممبر مسٹر شکوف نے اردو میں نہایت اعلیٰ ادبی انداز میں اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا مقالہ اتنا بہتر اور حقیقت افروز تھا کہ حاضرین نے چالیس منٹ کی تقریر میں بار بار تالیاں بجا کر داد دی اور اظہار تحسین کیا۔

تمام حاضرین بالخصوص اردو داں طبقہ محو حیرت تھا کہ ایک روسی باشندہ اس قدر روانی کے ساتھ نہایت شستہ زبان اور اردو رسم خط میں اپنی تقریر پڑھا جا رہا ہے۔

انھوں نے اپنے مقالے میں روس اور ہند کے قدیم تعلقات کی تاریخ اور نوعیت بڑی خوبی سے بیان کی تھی ساتھ ہی انھوں نے حال میں جو ثقافتی اور تہذیبی وفد کا آنا جانا ہوا وہ بیان کیا انھوں نے وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو کے دورۂ روس اور روسی وزیر اعظم بلگانن اور مسٹر خروشچیف کے دورۂ ہند کا دلچسپ حال سنایا اور امید ظاہر کی کہ کلچرل وفد باہمی تعلقات استوار کرنے میں بڑی مدد دیں گے۔

اردو حلقے پروفیسر کی اردو دانی سے اتنے محظوظ ہوئے کہ اور چند مجلسیں ترتیب دینے کی سوچ رہے ہیں۔

بمبئی اسمبلی میں اردو

جدید تنظیم کے بعد حیدرآباد کے مرہٹواڑی حصے سے جو ممبر بمبئی اسمبلی میں گئے ہیں انھوں نے اردو میں تقریریں کر کے سارے ایوان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

یوم مجاز لکھنؤ یونیورسٹی

شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی میں گزشتہ ہفتے اردو فارسی سوسائٹی کی طرف سے یوم مجاز منایا گیا۔

جلسے کا آغاز مجاز کے کمسن بھانجے اور بھتیجے سلمان اختر اور شاہد فرید نے مجاز مرحوم کی غزلوں سے کیا۔ مقالے پڑھے گئے اور جناب احتشام حسین اور خلیل خاں صاحب لکچرر شعبہ اردو نے اپنے تاثرات ظاہر کئے

آخر میں دو منٹ خاموش کھڑے رہ کر مجاز کو خراج عقیدت پیش کیا۔ (روزنامہ قومی آواز)

یونسکو میں اردو

اس سال یونسکو کا نواں جلسہ نئی دلی (ہندستان) میں نومبر کے پہلے ہفتے شروع ہو کر دسمبر کے پہلے ہفتے میں ختم ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ صدر نے جلسے کا آغاز، اختتام اور پوری کارروائی ایک ایشیائی زبان میں چلائی۔ یہ وہی ایشیائی زبان ہے جس کے بولنے اور سمجھنے والے روئے زمین پر انگریزی کے بعد سب سے زیادہ ہیں۔

اس سال اس جلسے کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد مرکزی وزیر تعلیم تھے۔ یونسکو کی روایات میں یہ بات شامل ہو گئی ہے کہ میزبان ملک کے ڈیلیگیشن کا لیڈر جلسے کا صدر ہوتا ہے اس لئے جب یونسکو کے اجلاس کی تیاریاں شروع ہوئیں تو بڑی فکر یہ تھی کہ اس کے فصیح و بلیغ اردو صدر کی جادو بیانی اور الہامی زبان کو انگریزی میں منتقل کر دینے والا معجز بیان مترجم کہاں سے میسر آئے گا

جب کسی زبان کا ادب اور ادیب اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے پیرایۂ بیان کو کوئی دوسری زبان خواہ وہ کتنی ہی وسعتیں رکھتی ہو، چھو نہیں سکتی۔ مترجم کے لئے بالکل موزوں لفظوں کے سانچے میں چلنا حسین ترکیبوں معنی خیز جملوں اور نازک تشبیہوں کو جوں کا توں اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال لینا تقریباً ناممکن سا کام ہے یہی دشواری اردو کے اس عظیم الشان ادیب کے ملفوظات کو انگریزی میں منتقل کرنے میں پیش آئی۔

مرشد تمام تجویزات و شور و شغب کا میدان نامحرم و شور۔ و مرشد اردو والے اس امتیاز پر جتنا بھی فخر کریں بجا ہے۔ آج دنیا کی مرتبہ چند زبانوں میں چوٹی کے مقرر اور ادیب موجود ہیں ان میں سے یہ ایک بہت ممتاز عالم ادیب اور مقرر اردو کا ہے۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں ہے۔

حاصلات

لائبریری کی اہمیت

لائبریری کی علمی و ثقافتی اہمیت اور اس کی باقاعدہ تنظیم پر مسلم یونیورسٹی لائبریری کی طرف سے ایک عرصے سے تقاریر کا سلسلہ جاری ہے۔ تجربہ کار لائبریرین اور ماہرین تعلیم لائبریری کے مختلف پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں گزشتہ ہفتے مرکزی وزارت تعلیم کے شعبہ سماج سدھار کے ناظم سردار سوہن سنگھ تشریف لائے تھے۔ سردار صاحب بہت پرانے لائبریرین ہیں اور حال ہی میں روس کے معائناتی دورے سے واپس تشریف لائے ہیں اسی لحاظ سے انھوں نے روس میں لائبریری تنظیم پر اظہار تاثرات کیا۔ آپ نے بتایا کہ ایک منظم لائبریری سروس روس کے علاوہ شاید کسی اور ملک میں نہیں۔ ہر گاؤں، ہر قصبے اور ہر شہر میں کتب خانے موجود ہیں۔ مجموعی طور پر چار لاکھ کتب خانے طول وعرض روس میں موجود ہیں۔ ان میں ساٹھ ہزار بچوں کے لئے مخصوص ہیں مرکز کے علاوہ روس کی تمام جمہوریتوں میں بچوں کے لئے کتابیں شائع کرنے کا نہایت عمدہ انتظام ہے اور ان اشاعتی اداروں سے کتابیں ہر لائبریری میں بلا تعویق پہنچ جاتی ہیں۔ بچے کتابوں کے مصنفین کو اپنی لائبریری میں آنے کی دعوت دیتے ہیں اور اس طرح مصنف بچوں کی دلچسپیوں اور ذہنی وابستگیوں سے بخوبی واقف ہوجاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بچوں کے لئے خاص کتابیں چھاپنے میں روس کا مقابلہ دنیا کا اور کوئی ملک نہیں کرسکتا۔

روس میں کتب خانوں کی علمی حیثیت سے کہیں زیادہ ان کی تہذیبی اور تمدنی اہمیت تسلیم کی جاتی ہے اس بنا پر پورے ملک میں پھیلے ہوئے کتب خانوں کے جال پر وزارت تعلیم کا نہیں بلکہ وزارت ثقافت کا اختیار ہے۔ مرکز میں سب سے بڑی لینن لائبریری ہے جو ممکن ہے کہ کتابوں کی تعداد کے لحاظ سے دنیا کی دوسری بڑی لائبریری ہو لیکن اپنی منظم سروس اور کتابوں کے استعمال کی بنا پر دنیا کی سب سے بڑی لائبریری قرار دی جاسکتی ہے

روس کی تمام جمہوریوں کے صدر مقاموں میں ایک ایک بڑی لائبریری موجود ہے اور اس جمہوریہ کے کتب خانوں کی نگرانی کرتی ہے جمہوریہ کے تمام صوبوں میں صوبائی کتب خانے موجود ہیں جو کتابوں کی فراہمی کے ذمہ دار ہیں۔ ان کتب خانوں کے تحت ہر صوبہ کے تمام ضلعے اور ہر ضلعے کے شہر، قصبے اور گاؤں میں موجودہ کتب خانوں کو کتابیں فراہم کرنے کا عمدہ انتظام کیا گیا ہے۔ چونکہ روس میں کتابوں کی اشاعت اور فراہمی حکومت کی زیر نگرانی ہوتی ہے اس لئے ہر لائبریری کو سرکاری طور پر پہنچائی جاتی ہیں۔ یہ کام جس قدر جلد ہوتا ہے۔ قابل تعریف ہے۔ ہر گاؤں اور ہر ضلعے کے کتب خانوں کا تعلق جمہوریہ کی مرکزی لائبریری سے اور لینن لائبریری ان سب سے تعلق رکھتی ہے اس بنا پر ہر مطلوبہ کتاب روس کے کسی بھی کونے میں پہنچا دی جاتی ہے۔

سرکاری کتب خانوں کے علاوہ روس کے ہر صنعتی ادارے ہر کارخانے، ہر زراعتی فارم، ہر تفریحی کلب، علمی مجلس، ادبی انجمن غرض ہر چھوٹے بڑے ادارے میں ایک عمدہ کتب خانہ موجود ہے۔

کتب خانوں کے بہتر انتظام کے لئے لائبریری کی تربیت کا بھی کافی عمدہ انتظام ہے۔ پانچ یونیورسٹیوں اور "انسٹی ٹیوٹ" اداروں میں تربیت کا انتظام ہے۔ علاوہ ازیں ہر بڑی لائبریری میں عملی تربیت دی جاتی ہے اور اگر کسی کے لئے یہ بھی ممکن نہیں تو اسے خط وکتابت کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے۔ تربیت کا یہ انتظام مرکزی اور جمہوریائی وزارت تعلیم کے تحت لینن لائبریری کی نگرانی میں ہے۔ ایک تربیت یافتہ لائبریرین کے لئے روس میں یہ کہاوت موجود ہے کہ جنگل میں منگل منا دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اسے صرف یہ معلوم ہوجانا چاہئے کہ کسی جگہ لائبریری کے قیام کی ضرورت ہے۔ عمارت، کتابیں اور پڑھنے والے وہ خود مہیا کرلیتا ہے۔

روسی حکومت بیرون ملک سے زیادہ تر سائنس کی کتابیں منگواتی ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کے ہر بڑے علمی ادارے سے ان کا لین دین ہے۔ صرف ہندوستان میں پچاس اداروں سے تبادلہ کتب کا انتظام ہے۔ (علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری میں دو ہزار سے زائد روسی کتب مطبوعہ تبادلہ و تحفہ وصول ہوئی ہیں)

سالانہ مشاعرہ کڑپہ

ہمیشہ کی طرح اس سال بھی ۱۸؍دسمبر ۱۹۵۷ء کو زیر اہتمام بزم زمرۂ صوفیائے قطب زماں نائب رسول مخدوم الہی کڑپہ بہ صدارت تجر صاحب مدراسی ایک طرحی مشاعرہ ہوگا۔

طرح اول:- رکے جہاں گردش زمانہ وہیں ہے عارف کا آشیانہ

قوافی:- آستانہ، آشیانہ

طرح دوم:- احتیاطاً جبیں جھکائی ہے

قوافی۔ جھکائی۔ بنائی، ردیف ہے۔

معتمد صاحب بزم مذکورہ بالا جناب محبوب علی چشتیا پوری صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ یہ مشاعرہ ہر سال عرس کے موقعے پر ہوتا ہے۔ اس سال ۱۸ سے ۲۲ تک یہ سلسلہ رہے گا ناظرین اور شعرائے کرام سے شرکت کی درخواست کی جاتی ہے

معاصرین

(از اداریہ نیا دور لکھنؤ)

پہلی بات

ایک شاعر نے کہا تھا کہ

رکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں
کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

جو بات اس شاعر کے نزدیک روانیٔ طبع پر صادق آتی تھی وہی زیادہ پُر وزن طریقے پر مفروضہ ادبی معتقدات کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ "نئی تنقید" نے جس کی ابتدا ۱۹۳۵ء کے آس پاس ہوئی تھی، صنائع و بدائع اور الفاظ اور طرزِ ادا کی محبوس فضاؤں سے باہر نکل کر حرکاتِ ادب کا جائزہ لینا شروع کیا اس میں سے کچھ نقادوں نے اقتصادی محرکات کو اولیت دی اور بعض نے جنسی محرکات کی ترجمانی بھی شروع کی۔ جلد ہی یہ دونوں رجحانات کچھ اس طرح سے تنقید کی فضا پر چھا گئے کہ داخلی اور خارجی شاعری کی تفریق بھی حرفِ پارینہ ہوگئی اور افادیت کی بحث بھی پس پشت جا پڑی۔ "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے فن" کا نعرہ تو ادبی حقیقت پسندی کا اعلانِ عام ہی ہو گیا تھا۔ ہماری ادبی تاریخ "نئی تنقید" کی یہ دین کبھی فراموش نہیں کر سکتی لیکن ہمارے بعض تنقید نگاروں نے ان ابتدائی نظریات کو حرفِ آخر سمجھ لیا اور ہر مفروضہ کو نہ صرف سابقہ مفروضات کا ناسخ بلکہ تمام مفروضات کا خاتم ہی مان لیا اس میں ایک شکل مشکل یہ بھی نمودار ہوئی کہ اقتصادی محرکات کی فوقیت تسلیم کر لینے کے بعد سیاسی نظریات کی بحث درمیان آ پڑی اور پھر "نئی تنقید" کو بعض نقد نگاروں نے سیاسی مطالبات کا تابع محض بنا لیا۔ اس باب میں ایسی تنگ نظری اور تنگ خیالی کا دور دورہ ہوا کہ ایک دوران میں ادب پاروں کے جانچنے کا صرف ایک پیمانہ رہ گیا تھا کہ وہ پارٹی کے مسلمات و مفروضات سے ہم آہنگ ہے یا نہیں۔ جب "نئی تنقید" میں اس طرح کا رکاؤ پیدا ہو گیا تو بند پانی کی طرح اس میں بو سے فساد بھی آنے لگی۔

مقامِ شکر ہے کہ اس تنگ نظری کے خلاف آواز بھی ایک ایسے بلند پایہ نقاد نے اٹھائی ہے جو ادب کے اقتصادی محرکات سے بخوبی واقف ہے۔ میری مراد آل احمد سرور سے ہے۔ پروفیسر سرور نے اپنے مجموعۂ کلام "ذوقِ جنوں" کے مقدمے میں "میری شاعری" کے عنوان سے گم کردہ راہ نقد نگاروں کے فائدے کے لئے کچھ پتے کی باتیں کہی ہیں جنہیں پڑھ کر ناظرین کو یہ حیرت آمیز مسرت ہوگی کہ پرانا طلسم کس تیزی سے ٹوٹتا جا رہا ہے! سرور نے لکھا ہے کہ "سیاسی نصب العین اور سیاسی پروگرام میں فرق ہے۔ نصب العین سے ادیب کو ہمدردی ہے۔ سیاسی پروگرام کی پابندی اکثر اس کے راستے میں مخل ہوتی ہے" سیاسی نصب العین کی وکالت کے سلسلے میں بھی سرور کا خیال ہے کہ شاعری کو نعرہ بازی یا پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں ہے وہ ایک خاموش نعرہ اور ایک مقرا اور دل آویز پروپیگنڈا ہے۔ سلسلۂ گفتگو میں انہوں نے کٹر افادیت پسندی کے ہم نواؤں کو بھی ان الفاظ میں تنبیہ کی ہے کہ "شاعری ایک فطری جذبے کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ اسے محدود افادیت کے سستے پیمانوں سے نہیں ناپ سکتے"

مجھے یقین ہے کہ جو لوگ کوراہ تنقید کے طلسم میں گرفتار ہو کر مطلق نظریات کی بات کرتے ہیں وہ سیاسی نصب العین اور سیاسی پروگرام کے فرق کو پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھیں گے اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ سیاسی نصب العین سے وابستگی سیاسی پروگرام کی پابندی پر مجبور کر ہی دیتی ہے۔ اگر یہ پابندی شاعر کی راہ روکتی ہے تو اس پابندی کو دور کرنا ہوگا اور دور کرتے وقت یہ خیال آنے لگے گا کہ اس سے سیاسی نصب العین کو ٹھیس پہنچ رہی ہے۔ واضح رہے کہ سیاسی پروگرام اور عملی سیاست ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر اور ادیب سیاسیات میں عملی حصہ نہ لیں لیکن ذہنی طور پر سیاسی پروگرام سے اختلاف رکھیں (بقیہ ص ۱۲ کالم تین پر)

یہ کتابیں ملیں

یہ ان کتابوں کی فہرست ہے جو عنوان بالا مقرر ہونے سے پہلے آچکی تھیں اور زیر تبصرہ ہیں۔ (ادارہ)

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	ناشر	صفحات	سائز	کاغذ	قیمت روپے	قیمت آنے
۱	سلاطین ہند کی علم پروری	محمد حفیظ اللہ	اسلامک اکاڈمی پھلواری شریف پٹنہ	۱۲۸	۲۰×۳۰/۱۶	اچھا	۱	۸
۲	اسلامی روایات	"	" "	۱۲۹	"	"	۱	۴
۳	اسلام اور غیر مسلم	"	" "	۲۵۶	"	"	۲	-
۴	عجائبات سائنس حصہ دوم	اے احمد بادشاہ	کتاب گھر جبل آباد بیل شورم	۳۱۲	"	"	۲	۸
۵	اطالیہ	ڈاکٹر مولوی عبدالحق	اسلامیہ بکڈپو کرنول	۱۲۶	"	-	۱	۸
۶	نبض حیات	شفا گوالیاری	سکریٹری، مرکز ادب بھوپال	۱۰۰	"	"	۱	۴
۷	پھر بہار آئی	اے حمید	مکتبہ کارواں - لاہور	۲۰۲	"	عمدہ		
۸	لہو ترنگ	سید ضمیر جعفری	" "	۱۲۵	"	"	۲	-
۹	زنداں نامہ	فیض احمد فیض	" "	۱۴۲	"	"		
۱۰	حرف و حکایت	سندباد جہازی	" "	۴۱۲	۱۸×۲۲/۸	"	۱۰	-
۱۱	جزیروں کے گیت	سید ضمیر جعفری	" "	۱۹۸	۲۰×۳۰/۱۶	"	۲	-
۱۲	تذکرۂ شوق	عطاءاللہ پالوی	مکتبہ جدید - لاہور	۳۵۱	"	"	۶	-
۱۳	مکاتیب جمیل	ربیعہ سلطانہ (مرتبہ)	" "	۲۴۰	"	"	۴	-
۱۴	کنکری	انتظار حسین	" "	۳۲۸	"	"	۵	-
۱۵	اقبال	مجنوں گورکھپوری	آزاد کتاب گھر، دہلی	۶۱	"	"	۱	۴
۱۶	شکستہ کنگورے	حیات اللہ انصاری	" "	۲۱۰	"	"	۲	۱۲
۱۷	ادیب کے سو شعر	محمد تقی خاں ادیب	کاشانۂ ادب [illegible]	۳۰	۲۰×۳۰/۳۲	معمولی	-	۴
۱۸	رسول پاک کی صاحبزادیاں	اعجاز الحق قدوسی	اسلامک پبلشرز حیدرآباد دکن	۸۰	۲۰×۳۰/۱۶	اچھا	-	۱۲
۱۹	اردو زبان کا ارتقا	ڈاکٹر شوکت سبزواری	پاک کتاب گھر - ڈھاکہ	۳۲۸	۱۸×۲۲/۸	عمدہ	۷	۸
۲۰	اسلام کا نظام حکومت	مولانا حامد الانصاری غازی	ندوۃ المصنفین - دہلی	۴۵۶	۲۰×۳۰/۸	"	۷	-
۲۱	وجدان حافظ	بشیشور پرشاد منور	کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی	۱۲۸	۲۰×۳۰/۱۶	"	۱	۸
۲۲	ترنم	مہیش چندر نقش		۱۶۰	"	اچھا	۲	۸
۲۳	حسرت کی شاعری	ڈاکٹر یوسف حسین	مکتبہ جامعہ - دہلی	۹۴	"	عمدہ	-	۱۲
۲۴	محراب غزل	روش صدیقی	" "	۱۵۸	۱۸×۲۲/۸	"	۳	-
۲۵	ترجمان غالب	شہاب الدین مصطفیٰ	مکتبہ نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن	۲۲۴	"	اچھا	۴	-
۲۶	FREEDOM STRUGGLE IN HYDERABAD VOL. I		HYDERABAD STATE COMMITTEE HYD. (Dn)	۲۲۳	۲۰×۳۰/۸	"	۶	-
۲۷	دین الٰہی کے [illegible]	طالب صفوی		۱۳۸	۲۰×۳۰/۱۶	"		
۲۸	لطائف السعادت	آمنہ خاتون (مرتبہ)						
۲۹	نئے اور پرانے چراغ	آل احمد سرور	ادارہ فروغ اردو لکھنؤ		۲۰×۳۰/۱۶	"	۵	-
۳۰	فہرست مطبوعات		ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن					

بقیہ پہلی بات

اب سرور کا یہ کہنا کہ سیاسی پروگرام کی پابندیوں سے دامن چھڑا لیا جائے ہمیں صرف اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ اصل نصب العین سے وابستگی رکھی جائے لیکن اس سیاسی نصب العین کے حصول کے لئے جو سیاسی پروگرام بنایا جائے اس کی پابندی ادیب کے لئے ضروری نہ سمجھی جائے کیونکہ بقول سرور "شاعری چند خوابوں کے ذریعے حقائق کی توسیع کرتی ہے" اور وہ "ایک فطری جذبے کی تسکین کا ذریعہ ہے" سرور کی نظر یقیناً اس امکان پر ہے کہ شاعر ایک نصب العین کے حصول کے لئے ایسے خواب بھی دیکھ سکتا ہے جو سیاسی پروگرام سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ پچھلے بیس سال کی طویل مدت میں رفتہ رفتہ جو سیاسی احتساب بعض تنقید نگاروں نے قائم کیا تھا اس میں سرور کے تیشۂ قلم نے پہلی بار کافی واضح شگاف پیدا کر دیا ہے۔

باقی آئندہ

پرنٹر پبلشر اطہر پرویز نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا